حِکَم و عِبَر

قتلِ خطاء میں عورت کی دِیَت کا مسئلہ

محمد رفیق چوھدری

موجودہ حکومت کی جانب سے "نفاذِ اسلام" کی کوششوں نے ہمارے ملک کے علمی، قانونی اور دینی حلقوں میں جن نئی بحثوں کو جنم دیا ہے ان میں ایک بحث یہ ہے کہ قتلِ خطاء کی صورت میں از روئے شریعت کیا عورت کی دِیَت بھی مرد کی دیت کے برابر ہے یا اس کا نصف ہے؟

اگرچہ ہم اصولی طور پر "نفاذِ اسلام" کے موجودہ طریقِ کار سے قطعاً متفق نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک محض جزوی اور تدریجی قانون سازی کے ذریعے "نفاذِ اسلام" کا موجودہ طریقِ کار کسی درخت کی جڑ اور تنے کی خرابیوں سے صرفِ نظر کر کے محض اس کی شاخوں اور پتوں کی اصلاح کا طریقِ کار ہے۔ یا اسے ایک سے سو تک گنتی سکھانے کی بجائے سو سے ایک تک گنتی سکھانے کا طریقِ کار کہنا چاہیئے۔ لہٰذا اس طریقِ کار کو پوری طرح اپنانے والوں کے "اخلاص" کے بارے میں بھی ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔

تاہم جہانتک عورت کی دیت کے زیرِ بحث مسئلے کا تعلق ہے تو اس بارے میں ہم خالص شرعی نقطۂ نظر سے غور کریں گے۔

لیکن آغازِ بحث سے پہلے بطور تمہید ہم یہ عرض کریں گے کہ زیرِ بحث مسئلہ قتلِ خطاء میں عورت کی دیت کا مسئلہ ہے اور قتلِ عمد اس سے الگ اور ایک بالکل مختلف مسئلہ ہے اور ان دونوں کو غلطی سے ایک سمجھ کر غلط مبحث پیدا نہیں کرنا چاہیئے۔

قرآن وسنت کی بنیاد پر قتلِ عمد اور قتلِ خطاء میں درج ذیل فرق ہے:

۱۔ قتلِ عمد میں قاتل سے قصاص لینا واجب ہے اِلّا یہ کہ مقتول کے ورثاء قصاص نہ لینا چاہیں اور کچھ معاوضہ یا دیت لے کر یا بغیر کچھ معاوضہ لئے قاتل کو معاف کر دیں۔

۲۔ اس میں معاوضہ یا دیت کا ادا کرنا قاتل کی ذمہ داری ہے۔ اس کی عاقلہ (خاندان یا ادارے) پر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔

۳۔ اس میں اصل چیز معاوضہ یا دیت نہیں ہے بلکہ قصاص اصل چیز ہے۔
۴۔ اس میں دیت کی مقدار معیّن نہیں ہے ۔

اسکے برعکس قتلِ خطاء میں :

۱۔ قاتل سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔ صرف دیت لی جا سکتی ہے ۔
۲۔ اس میں دیت کی ادائیگی قاتل پر نہیں بلکہ اس کی عاقلہ (خاندان یا ادارے) پر لازم ہے۔
۳۔ اس میں اصل چیز دیت ہے، قصاص لینا جائز نہیں ہے۔
۴۔ اس میں دیت کی مقدار از روئے سنّت معیّن ہے ۔

عموماً ہمارے ہاں اکثر لوگ قتلِ عمد اور قتلِ خطاء کی ان دو مختلف صورتوں کو ایک سمجھتے ہوئے بحث کرتے ہیں اور خود ایک غلط بات کرتے اور دوسروں کو غلط سمجھاتے ہیں — ضلّوا واضلّوا ۔

اس جگہ پر یہ سوال نہایت اہم ہے کہ "کیا دیت کسی جان کی قیمت ہوتی ہے ؟" اس کا جواب یہ ہے کہ "ہرگز نہیں "۔ اوّل تو جان ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی قیمت لگانا اس کی سخت ناقدری کرنا ہے۔ بفرضِ محال اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام میں :

۱۔ قتلِ عمد اور قتلِ خطا میں کوئی فرق نہ ہوتا کیونکہ ایک مسلمان کی جان کا نقصان دونوں جگہ یکساں طور پر ہوتا ہے ۔
۲۔ ہر جان کی ایک مقررہ قیمت طے ہوتی، جو ہر قسم کے قتل کی صورت میں واجب الادا ہوتی جب کہ ایسا واقع میں ہرگز نہیں ہے ۔
۳۔ جنین (وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو) اور عام آدمی کی دیت میں تفریق نہ ہوتی۔ جب کہ از روئے سنّت جنین کے قتل خطاء میں دیت کا نصاب صرف ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے اور سو اونٹ وغیرہ نہیں ہے ۔
۴۔ کسی کافر یا اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور عام مسلمان کی دیتِ قتلِ خطاء میں بھی کوئی فرق نہ ہوتا۔ مگر احادیثِ صحیحہ میں ان دونوں کی دیتوں میں واضح فرق موجود ہے۔

قرآن اور مسئلۂ دیت

جہاں تک قرآن حکیم میں قتلِ خطاء کی دیت کا تعلق ہے تو اس کے واجب ہونے کا ثبوت درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ط
(النساء آیت ۹۲)

کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے اِلّا یہ کہ اس سے چوک ہو جائے ۔ اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے اِلّا یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں ۔

اس آیت میں مقتول کے لئے " مُؤْمِنًا " کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عربی زبان میں " مومن مرد " کے ہیں اور مومن عورت کے لئے عربی زبان میں مُؤْمِنَةٌ کا لفظ آتا ہے جو یہاں مذکور نہیں ہے ۔ لہٰذا مفسّرین کرام اور فقہاء اسلام نے اس جگہ بغیر کسی معنوی تاویل کے صرف " مسلمان مرد " مُراد لیا ہے اور آیت کے الفاظ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ (اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے) سے دیت کی ادائیگی کے واجب ہونے کو قرآنی حکم قرار دیا ہے ۔ لیکن دیت کی مقدار کا تعیّن اس آیت میں نہیں کیا گیا ۔ مقدارِ دیت ہمیں صحیح احادیث سے ملتی ہے ۔

جیسا کہ ابوبکر جصّاص نے " احکام القرآن " میں لکھا ہے کہ :

لمّا لم یکن مقدار الدیۃ مبینًا فی الکتاب کان فعل النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فی ذٰلک وارد مورد البیان وفعلہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اذا ورد مورد البیان فھو علی الوجوب :

(ج ۲ ۔ ص ۲۳۹)

(ترجمہ) چونکہ الکتاب یعنی قرآن میں دیت کی مقدار بیان نہیں ہوئی ہے ، اس لئے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل سے اس بارے میں وضاحت مل جاتی ہے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل کی وضاحت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت میں صرف دیت کا واجب ہونا مراد ہے

اس بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ بھی اپنی مشہور تفسیر " تفسیر مظہری " میں لکھتے ہیں :

" دیت کی مقدار مجمل ہے اور کس پر دیت واجب ہے اُس کا بیان بھی آیت

میں نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرما دیا ہے
(تفسیر مظہری، ج ۲، ص ۲۰۱، مطبوعہ دہلی)

پھر لفظ " دِيَةٌ " پر بحث کرتے ہوئے امام جصاص فرماتے ہیں:

ان دية المرءة لا يطلق عليها اسم الدية وانما يتناولها الاسم مقيداً الا ترى انه يقال دية المرءة نصف الدية والاطلاق اسم الدية انما يقع على المتعارف المعتاد وهو كمالها (احکام القرآن ج ۲، ص ۲۳۸)

" درحقیقت عورت کی دیت پر لفظ دیت کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ عورت کے لئے اس لفظ کا محدود مفہوم مراد ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے عورت کی دیت آدھی دیت ہے دراصل لفظ دیت کا عام استعمال صرف پوری دیت کا مفہوم لئے ہوتا ہے "

گویا امام جصاص کے نزدیک آیت زیر بحث میں صرف مسلمان مرد کی دیت مراد ہے عورت یا اس کی دیت سے یہ مذکور ہی نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ عربی زبان میں عام طور پر مذکر کے صیغے میں مؤنث بھی تغلیباً شامل ہوتی ہے۔ لہٰذا آیتِ مذکورہ میں مُؤْمِنًا کے لفظ میں عورت بھی داخل ہے۔ اس لئے جو دیت از روئے حدیث مقتول مسلمان مرد کی ہے وہی عورت کی بھی ہے۔ اور مقدار دیت کے لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ "تغلیب" کا قاعدہ عربی زبان کا کوئی ایسا قطعی اصول نہیں ہے جس کی بنا پر ہر جگہ مذکر کے صیغے میں مؤنث کو شامل سمجھا جائے۔ خود قرآن حکیم میں بھی بہت سے ایسے نظائر ملتے ہیں جہاں قاعدۂ تغلیب باطل ہے۔ اور مذکر کا صیغہ صرف مذکر ہی کے لئے آیا ہے۔ اس میں مؤنث ہرگز شامل نہیں ہے۔

۱۔ مثال کے طور پر سورۂ نور کی آیت ۳۰ میں ہے:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ	اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اس جگہ المؤمنین مذکر کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہے۔ گویا

مومنین سے مراد صرف "مردِ مسلمان" ہیں اور عورتیں ان میں شامل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ بعد کی آیت ۱۲ میں یہی حکم مومنات (مسلمان عورتوں) کو دیا گیا ہے۔

۲۔ سورۂ انفال آیت ۶۵ میں ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ط	اے نبیؐ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو

سب جانتے ہیں کہ جنگ و قتال کرنا صرف مردوں پر فرض ہے، عورتوں پر فرض نہیں ہے اس لئے آیت میں مومنین کے لفظ میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

۳۔ سورۂ جمعہ آیت ۹ میں ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط	اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

اس آیت میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے مومنو) اور پھر فَاسْعَوْا (پس دوڑو) دونوں کا خطاب مذکر کے صیغوں میں ہے مگر ان میں مؤنث شامل نہیں ہیں کیونکہ نمازِ جمعہ کی فرضیت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں پر يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اور فَاسْعَوْا کے مخاطب مردوں میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

۴۔ سورۂ احزاب آیت ۵۰ میں ہے۔

وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۝	اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لئے ہبہ کیا ہو اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے، یہ رعایت خالصۃً تمہارے لئے ہے۔ دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی مومنین کے مذکر صیغے میں مؤنث شامل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہاں پر صرف عام مردوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے لئے تحدید نکاح کرنے کی ممانعت موجود ہے اور اس عام ممانعت کے برعکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس

بارے میں خصوصی اجازت کا اس آیت میں ذکر ہو رہا ہے۔ لہٰذا یہاں پر لفظ مومنین صرف مرد مسلمانوں کے لئے آیا ہے اور اس میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

۵۔ سورۂ احزاب آیت ۳۶ میں ہے کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا	حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ	کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے
اَمْرِهِمْ ط	اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار
	حاصل رہے۔

اس آیت میں بھی لفظ مومن سے مراد صرف مرد مسلمان ہے اور اس میں مسلمان عورت شامل نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے الگ سے مُؤْمِنَۃ کا لفظ آیا ہے۔

۶۔ سورۂ توبہ آیت ۷۱ میں ہے کہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ	مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م	کے رفیق ہیں۔

۷۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۸ میں ہے کہ

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ	اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا
	مسلم یعنی مطیع فرمان بنا۔

اس مقام پر بھی لفظ مسلمَین (دو مسلم) مذکر کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہیں کیونکہ یہاں پر دعا کرنے والے صرف دو مرد ـــــ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام ہی مراد ہیں اور کوئی عورت شامل نہیں ہے۔

۸۔ قرآن مجید میں مومنون (یا مومنین) اور مومنات یا مسلمین اور مسلمات کا یہی اسلوب کم از کم بارہ مقامات پر موجود ہے۔ جہاں مردوں کے صیغے میں عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے الگ طور پر تذکرہ کرنا ضروری ٹھہرا ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۂ فتح آیت ۵، سورۂ نور آیت ۱۲ اور آیت ۳۱، سورۂ توبہ آیت ۷۲، سورۂ احزاب آیت ۳۵، آیت ۵۸ اور آیت ۷۳، سورۂ نوح آیت ۲۸، سورۂ بروج آیت ۱۰، سورۂ محمد آیت ۱۹ نیز سورۂ حدید آیت ۱۲۔

مندرجہ بالا نظائر کی روشنی میں ہم اس امر کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور عربی زبان و بیان کا یہ کوئی قطعی اصول یا کلیہ نہیں ہے کہ ہر جگہ تغلیب کے تحت مردوں کے صیغے میں عورتوں کو بھی شامل سمجھا جائے۔ اگر کہیں تغلیب کے تحت ایسا ہوتا ہے کہ مذکر کے صیغے میں عورت داخل ہوتی ہے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذکر کے صیغے میں عورت شامل نہیں ہوتی اور تغلیب کا قاعدہ باطل ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت زیر بحث میں مفسرین اور فقہاء حضرات نے مُؤْمِنًا کے لفظ سے صرف مسلمان مرد ہی مراد لیا ہے اور عورت کو اس میں شامل نہیں سمجھا۔ جیسا کہ احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاص نے لکھا ہے کہ:

"ان الله تعالی انما ذکر الرجل فی الآیة" (ج ۲ ص ۲۲۸)	اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف (مسلمان) مرد کا ذکر کیا ہے (مسلمان عورت کا نہیں)۔

تغلیب کی اس بحث کے بعد اب ہم مذکورہ آیتِ دیت پر غور کریں تو یہاں پر کوئی ایسا قرینۂ قاطعہ موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے لفظ مومنًا میں مرد اور عورت دونوں کو شامل سمجھا جائے۔ اب اگر ایک شخص پورے زور سے یہ کہتا ہے کہ یہاں تغلیب کے تحت مومنًا میں عورت بھی داخل ہو سکتی ہے تو کوئی دوسرا شخص بھی اسی قوت سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر تغلیب کا قاعدہ سرے سے مؤثر ہی نہیں ہے اور باطل ہے اور یہاں پر لفظ مومنًا سے صرف اس کا لغوی مفہوم "مسلمان مرد" ہی مراد ہے[1]

حدیث اور مسئلۂ دیت حدیث کی جن معتبر کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ قتلِ خطا میں دیت کی جو روایات آئی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ان فی النفس مائۃ من الابل (مؤطا امام مالک، کتاب العقول۔ سنن نسائی، کتاب القسامہ و القود و الدیات)	نفس (جان) کی صورت میں (دیت) سو اونٹ ہے۔

یہاں پر لفظِ نفس استعمال ہوا ہے جس کے معنی جان کے ہیں۔ یہ لفظ عربی زبان میں

---

[1] بلکہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو دوسرے شخص کا موقف کچھ وزنی معلوم ہوگا اس لئے کہ وہ لفظ "مومنًا" کی کوئی معنوی تاویل نہیں کر رہا ہے بلکہ اسے ٹھیک لغوی اور اصطلاحی معنوں میں لے رہا ہے۔

مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے بھی آتا ہے اور بعض اوقات یہ صرف مذکر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۂ نساء آیت ۱ میں ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ	لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو
الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ	ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے
وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔	اس کا جوڑا بنایا

اس مقام پر تمام مفسرین "نفسِ واحدہ" (ایک جان) سے حضرت آدم علیہ السلام مراد لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم مرد تھے۔

۲۔ سورۂ آلِ عمران کی آیتِ مباہلہ (۶۱) میں ہے کہ

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَ	سو اے نبی! ان سے کہو! آؤ ہم اور تم
أَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَ	خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بچوں
نِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَ	اور عورتوں کو بھی لے آئیں۔

یہاں پر انفس (جانیں) میں عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ صرف مرد مراد ہیں اس لئے کہ عورتوں کا ذکر الگ سے نساء کے لفظ سے پہلے آچکا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نفس کا لفظ خاص مرد کے لئے بھی آتا ہے جس میں عورت شامل نہیں ہوتی۔

۳۔ سورۂ کہف آیت ۷۴ میں ہے کہ:

فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا	پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ان
فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا	کو ایک لڑکا ملا اور اس شخص نے اسے
زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ۔	قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا۔ آپ نے ایک

بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اس نے کسی کا خون نہ کیا تھا۔

اس جگہ جس کو نَفْسًا زَكِيَّةً (پاک جان) کہا گیا ہے وہ اسی آیت میں لفظ غُلامًا یعنی لڑکا مذکور ہے جو مرد ہے۔ لہٰذا نفس کا اطلاق صرف مرد پر بھی ہوتا ہے۔

۴۔ سورۂ قصص آیت ۳۳ میں ہے کہ

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ	موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! میں
نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ	تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں۔ ڈرتا
	ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔

اس آیت میں نفس سے مراد ایک قبطی مرد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مصر میں مارا گیا تھا۔ اس امر کی تصریح خود قرآن میں دوسری جگہ (ملاحظہ ہو القصص ۱۵ تا ۱۹) مذکور ہے۔

۵۔ اسی طرح سورۂ توبہ آیت ۴۱ میں ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔

سب جانتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال صرف مردوں پر فرض ہے اور نفیرِ عام کے مخاطب صرف مرد ہیں۔ یہاں پر بھی انفس کے لفظ میں کوئی عورت شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں دو مقامات پر نفس سے بھی تعبیر کیا ہے۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آل عمران ۲۸)	اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے
كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام ۱۲)	اس (اللہ) نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

ان دونوں جگہوں پر لفظ نفس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہوا ہے۔ مزید برآں لفظِ نفس کے مفہوم میں تو کافر و مشرک بھی شامل ہیں اور صحیح احادیث میں بعض خاص قسم کے کافروں کی دیت آدھی قرار دی گئی ہے۔

خود قرآن میں اسی آیتِ زیرِ بحث میں آگے ایک مومن مقتول کا کفارہ صرف تحریرِ رقبۃ (ایک مسلمان غلام آزاد کرنا) قرار دیا ہے۔ اس کی دیت سرے سے نہیں رکھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ (النساء آیت ۹۲)	پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی تھی تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔

گویا ایسا مومن قتل خطاء کے نتیجہ میں ہلاک ہو تو از روئے قرآن و شریعت اس کی

کوئی دیت ہی نہیں ہے۔ کیا حدیث کے لفظ نفس کا لغوی اطلاق اس مقتول مومن پر نہیں ہوتا۔ یقیناً نہیں ہوتا۔ ورنہ اس مقتول مومن کے لئے بھی قرآن میں دیت کا ذکر آتا جس کی مقدار حدیث نے سو اونٹ مقرر کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ حدیث کے لفظ نفس میں عموم نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں صرف مرد کی دیت بیان ہوئی ہے۔ عورت اس میں شامل نہیں ہے۔

ان مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس حدیث پر دوبارہ غور کریں جس کے الفاظ یہ ہیں:

فی النفس مائة من الابل — جان میں دیت کی مقدار سو اونٹ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ نفس کی دیت سو اونٹ ہے۔ اب اگر کوئی شخص جس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے لفظ نفس میں عورت بھی شامل ہے تو بالکل اسی طرح سے کوئی دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حدیث میں مستعمل نفس دیت میں عورت شامل نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ نفس صرف مرد کے لئے بھی آتا ہے اور اس میں عورت شامل نہیں ہوتی۔

لفظِ نفس کے لغوی مفہوم اور اس کے استعمال کی اس بحث کا صریح نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عربی زبان میں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہو تو اس میں حتمی طور پر نہ تو عموم کا مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے لازماً مرد اور عورت دونوں مراد لئے جائیں اور نہ ہی حتمی طور پر صرف مرد کا خاص مفہوم لیا جاسکتا ہے۔ بلکہ نفس کا لفظ اپنے اندر دونوں احتمالات رکھتا ہے۔

لہٰذا دیت کے بارے میں مذکورہ بالا حدیث میں بھی لفظ نفس مجمل ہے اور تشریح کا محتاج، اس میں جس قدر احتمال اس مطلب کا ہے کہ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں بالکل اسی قدر احتمال اس مفہوم کا بھی ہے کہ اس سے صرف مرد ہی مراد لیا جائے۔

اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے مسئلہ دیت پر صرف قرآن مجید میں مذکور لفظِ مومن یا حدیث میں مستعمل لفظِ نفس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں مقامات پر ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں ایسا سمجھنا عربیت کی رو سے بالکل غلط ہوگا۔

اب ہم صحیح حدیث کی بنیاد پر یہ استدلال کریں گے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر نہیں ہے بلکہ ان میں فرق موجود ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

عقل المرءة مثل عقل الرجل — عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے

حتّٰی یبلغ الثلث من دیتہ	بشرطیکہ مقدارِ دیت (کل دیت کے) ایک
(رواہ النسائی والدارقطنی وصححہ ابن خزیمہؒ)	تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

بحوالہ التاج الجامع لاصول فی احادیث الرسول مؤلفہ شیخ منصور علی ناصف ج ۳ ص ۱۱ ۔
نیز مصنّف عبدالرزاق ج ۹ ۔ ص ۲۹۶)۔

اس حدیث میں جراحات یعنی اعضاء کے تلف ہونے یا زخموں کی صورت میں دیت کا بیان آیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورت کی دیت جراحات میں بھی صرف اسی حد تک مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے جب مقدارِ دیت کل دیت (سو اونٹ) کے ایک تہائی سے متجاوز نہ ہو۔ اگر عورت کی مقدارِ دیت کل دیت کے ایک تہائی سے بڑھ جائے۔ (کل دیت کا نصف وغیرہ ہو جائے) تو پھر مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں رہے گی بلکہ دونوں کی دیت میں عدم مساوات پیدا ہو جائے گی۔

اس طرح حدیث بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت جراحات میں بھی مساوی نہیں ہے بلکہ ان میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اور جب جراحات کی دیت میں بھی مرد اور عورت کی دیت کے مابین عدم مساوات ہے تو پھر ان دونوں کی پوری دیت میں کیونکر مساوات ہوگی؟

اب ہم امام بخاریؒ کے ایک ہمعصر محدث محمد بن نصر مروزی (متوفّٰی ۲۹۴ھ) کی کتاب "السُّنّۃ" سے ایک حوالہ پیش کریں گے۔

حدثنا اسحاق (انبأ) أبواسامة	ہم سے اسحاق نے روایت کیا انہوں
عن محمد بن عمرو بن علقمة	نے ابواسامہ سے انہوں نے محمد بن عمرو
قال کتب عمر بن عبدالعزیز	بن علقمہ سے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
فی الدیات، فذکر فی الکتاب	نے دیات کے بارے میں ایک کتاب
وکانت دیة المسلم علی عهد	لکھی جس میں یہ تحریر تھا کہ "رسول اللہ
رسول الله صلی الله علیه وسلم	صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں مسلمان
مائة من الابل فقومها عمر	مرد کی دیت سو اونٹ تھے پھر حضرت
بن الخطاب علی اهل القری ألف	عمر بن خطابؓ نے شہریوں کے لئے
دینار أو اثنی عشر ألف درهم،	اس مقدار کے تبادل کے طور پر ایک

وکانت دیة الحرة المسلمة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم خمسین من الابل فقومها عمر بن الخطاب علی اهل القری خمس مائة دینار او ستة الاف درهم۔
(السنّة از محمد بن نصر مروزی، ص ۲۶۲ مطبوعہ ریاض)

دینار یا بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آزاد مسلمان عورت کی دیت پچاس اونٹ تھی۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنے زمانے میں) شہریوں کے لیے اس مقدار کے متبادل پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم دیت مقرر کی۔

واضح رہے کہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے اس کتاب میں امام صاحب نے صرف وہ حدیثیں شامل کی ہیں جن کو "سنت ثابتہ" کا درجہ حاصل ہے۔ لہٰذا عورت کی دیت کے مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے —— !!

جو لوگ مرد اور عورت کی دیت میں مساوات کے قائل ہیں وہ اپنے مؤقف کی تائید کے لئے یہ صحیح حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔

المسلمون تتکافأ دماءھم — تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

مگر یہ حدیث تو مسلمانوں کے خون میں مساوات کو ظاہر کرتی ہے۔ مرد اور عورت کی دیت "—— کا برابر ہونا اس سے کہاں ثابت ہو گیا؟ پھر امت کے تمام فقہا، محدثین اور مفسرین نے اس حدیث کو قصاص کے ضمن میں لیا ہے اور اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص لینا ضروری ہے۔ مقتول خواہ مرد ہو یا عورت ہو یا غلام ہو ہر صورت میں خون برابر ہے اور قاتل سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ اس حدیث کو قصاص میں برابری کے مفہوم میں لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی کتاب عمرو بن حزم: ان الرجل یقتل بالمرأة وفی الحدیث الآخر: المسلمون تتکافأ دماءھم
(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۲)

عمرو بن حزم کے مکتوب میں لکھا ہے کہ "عورت کے قصاص میں مرد کو بھی قتل کیا جائے گا" حدیث میں بھی ہے کہ "تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔"

خود صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے اس حدیث کو کتاب القصاص میں بیان کیا ہے اور کتاب الدیات میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے ۔

آثارِ صحابہؓ اور اجماعِ صحابہؓ اسی مسئلہ دیت کے بارے میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات کا یہ قول ملتا ہے :

۱ عن ابراهيم النخعي عن عمر بن الخطاب وعلي بن ابي طالب انهما قالا عقل المرءة على النصف من دية الرجل في النفس وفيما دونها .	ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کا یہ قول ہے کہ عورت کے قتلِ نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے ۔

(سنن الکبریٰ از امام بیہقی ج ۸، ص ۹۶، نیز کتاب الحجۃ از امام محمد، ج ۴، ص ۲۸۴)

تفسیر نیشاپوری (تفسیر غرائب القرآن) میں اسی آیتِ دیت کے تحت مذکور ہے کہ :

ان دية المرءة نصف دية الرجل باجماع المعتبرين من الصحابه۔	عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر معتبر صحابہؓ کا اجماع ہے

اجماعِ امّت قتلِ خطاء میں عورت کی دیت مرد کے مقابل میں نصف ہونے پر امّتِ مسلمہ کا اجماع ہے ۔ اسی حقیقت کو علّامہ ابن رُشد اپنی کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کے طور پر یہ بیان فرماتے ہیں :

۱ امّا دية المرءة فانهم اتفقوا على النصف من دية الرجل في النفس فقط .	باقی رہا عورت کی دیت کا معاملہ تو اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے ۔

(بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۳۱۵)

۲ التشریع الجنائی میں عبدالقادر عودہ شہید لکھتے ہیں کہ عورت کی نصف دیت پر پوری امّت متفق ہے ۔

"ومن المتفق عليه ان دية المرءة على النصف من دية الرجل في	اس امر پر امّت کا اتفاق رائے ہے کہ قتل (خطاء) کی صورت میں عورت کی

القتل ۔ دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی ۔

(التشریع الجنائی ، ج ۱ ، ص ۶۶۹)

اب اگر اجماعِ امت بھی دین میں حجت ہے اور وہ یقیناً حجت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون میں قتلِ خطاء کی صورت میں عورت کی دیت مرد سے نصف ہے ۔

حاصلِ بحث

حاصلِ بحث یہ ہے کہ قانونِ اسلامی میں قتلِ خطاء کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رکھی گئی ہے ۔ قرآن و سنّت سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور تعاملِ صحابہ و اجماعِ امت سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے ۔ البتہ اب ایک اشکال یہ ہے کہ اسلام کے اس قانون میں کیا حکمت ہے ! تو اسے سمجھنے کے لئے اسلام کے پورے اجتماعی اور معاشی نظام کو سمجھنے کی ضرورت ہے ۔ اسلامی معاشرے میں ایک عورت پیداواری عامل یا معاشی طور پر کسی کی کفیل نہیں ہوتی ۔ اس لئے بالعموم اس کی ہلاکت سے خاندان یا ورثاء کو اس قدر مالی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا جس قدر مالی نقصان ایک مرد کے مرجانے سے اٹھانا پڑتا ہے ۔ اسی طرح وراثت میں بھی قرآن نے مرد کے مقابلے میں عورت کا حصّہ نصف قرار دیا ہے۔

لیکن دین کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ طرزِ عمل ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جب تک اسے شریعت کے اوامر و نواہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے یا اگر کوئی شرعی مسئلہ اس کی خواہشِ نفس کے خلاف ہو تو وہ اسے تسلیم نہ کرے ۔ ایسا کرنا ایمان کے منافی اور کفر کے مترادف ہے ۔

البتہ موجودہ حالات میں ایک اجتہاد ممکن ہے اور شریعتِ اسلامیہ میں اس کی پوری پوری گنجائش موجود ہے اور وہ یہ کہ قتلِ خطاء میں اگرچہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے ۔ اور یہی اصل قانونِ اسلامی ہے تاہم اگر کوئی ایسی عورت قتل ہو جائے جو اپنے خاندان کی واحد کفیل ہو یا اس کے مرجانے سے خاندان کو بہت زیادہ مالی دشواری کا سامنا ہو تو ایسی صورت میں ایک قاضی کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی صوابدید سے عورت کی نصف دیت کے علاوہ مزید نصف دیت تک (مرد کی دیت کے برابر) کا اضافہ کرسکے اور قتلِ خطاء کے مرتکب فرد کی عاقلہ پر اس پوری دیت کو واجب الادا قرار دے سکے ۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین)

○